OPEN ACCESS
RUSHD
(Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies)
Published by: *Lahore Insititute for Social Sciences, Lahore.*

ISSN (Print): 2411-9482
ISSN (Online): 2414-3138
July-Dece-2023
Vol: 4, Issue: 2
Email: journalrushd@gmail.com
OJS: https://rushdjournal.com/index

Muhammad Sohail Arif[1]

Hafiz Muhammad Abdullah[2]

Muhammad Naimat Ullah[3]

علامہ ابن خلدون کے سیاسی افکار موجودہ پاکستانی حالات کے تناظر میں

The political thoughts of Allama Ibn Khaldun in the context of current Pakistani conditions

Abstract

The article relates Ibn Khaldun's theories to the current context of Pakistan, observing parallels between his emphasis on ethical governance and the nation's present challenges. It underscores the importance of adopting ethical values, promoting social cohesion, and ensuring just governance as

1 EST Arabic, Govt. Boys Elementary School Jafaria Colony Bund Road Lahore, PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Education, Lahore. Sohailarif89@gmail.com

2 PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Faculty of Social Sciences, Lahore Garrison University, Lahore/SST, WAPDA Inter College Mangla Dam Mirpur AJK. hafizmuhammadabdullah53@gmail.com

3 PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Education, Lahore/Librarian, Govt. Mines Labour Welfare Boys Higher Secondary School, Makerwal Mianwali. Email: muhammadnaimatullah53@gmail.com

critical for the nation's progress and stability. By examining Ibn Khaldun's insights, the article underscores their relevance to Pakistan's socio-political landscape, advocating for a renewed emphasis on ethical governance and social cohesion to foster the country's development.

Keywords: Ethical, Governance, Cohesion, Stability

اسلامی تاریخ بے شمار ایسے نفوس سے بھری پڑی ہے کہ جن کی بدولت آج اقوام عالم علم کے نور سے مستفید ہو رہے ہیں۔ مسلمان سکالرز نے ہمیشہ اپنے اپنے میدان میں بے شمار کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔ ان نابغہ روز گار شخصیات میں علامہ عبد الرحمن بن محمد کا شمار بہت اہم شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے اقوام عالم کو اپنے فن کی نئی جہتوں سے روشناس کرایا۔ علامہ ابن خلدون کو جدید عمرانیات کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے عمرانیات پر بہت کام کیا ہے ریاست وسلطنت کے حصول و قیام اور استحکام کے لیے بہت سے ایسے اصول دیے ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے گویا علامہ ہمارے علاقے کی ہی سیاست کو بیان کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے ضرور تنقید کی ہے کہ مشاہدات فقط بنو عباس اور بربر قوم کے متعلق ہیں لیکن بہر حال علامہ ابن خلدون نے ان مشاہدات کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ وہ اصول اور مشاہدات ایک لازوال اصول بن کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اپنی اس تحقیق میں، میں نے علامہ ابن خلدون کے سیاسی افکار کا مطالعہ پاکستانی موجودہ حالات کے تناظر میں پیش کیا ہے اور اس پر علامہ کے تجربات کی روشنی میں اپنے مسائل کے حل کی تجاویز پیش کی ہیں۔

یہ موضوع خاص اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں علامہ ابن خلدون کے مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں ہم اپنے علاقے کی تنزلی کے اسباب جاننے کی کوشش کریں گے اور ان کے حل کے لیے علامہ کی تجاویز کا جائزہ لیں گے۔

علامہ ابن خلدون کا مختصر تعارف

ابن خلدون کا اصل نام عبد الرحمن بن محمد بن محمد ہے ان کے اجداد میں ایک خلدون نام آتا ہے آپ انہیں کی نسبت سے ابن خلدون کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابن خلدون تیونس میں بروز بدھ پہلی رمضان المبارک

732 ہجری[1] میں پیدا ہوئے بچپن میں ہی ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن بُرّال انصاری سے قرآن مجید حفظ کیا جو قراءت میں امام مانے جاتے تھے۔ حفظ کے بعد ابن خلدون نے سبع قراءت پڑھی اور کمال حاصل کیا۔ قرآن مجید حفظ اور قراءت کا علم حاصل کرنے کے بعد ابن خلدون عربی زبان و ادب کی طرف متوجہ ہوئے اس میدان کے عظیم ائمہ لغت سے عربی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی۔ عربی زبان و ادب کے بعد علم حدیث اور علم فقہ حاصل کیا اور اپنے اساتذہ سے روایت کی سند حاصل کی۔[2] آپ ایک بھرپور علمی زندگی گزارنے کے بعد 76 سال کی عمر میں 808 ہجری دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

ابن خلدون ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے ذہانت و متانت، فکر و تدبر ابن خلدون کا خاصہ تھے۔ وہ ایک ماہر تعلیم، ماہر زبان و ادب، عظیم محدث، قابل فقیہ، ماہر عمرانیات و معاشیات اور عظیم مورخ تھے اور جدید عمرانیات کے بانی تصور کیے جاتے ہیں۔ تاریخ میں ایسی شخصیات کم ہی ملتی ہیں جو علومِ عقلیہ و نقلیہ میں کمال درجہ کو پہنچی ہوں اور لوگوں نے ان کے کام سے کماحقہ استفادہ کیا ہو۔ ماہر تعلیم ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ماہر نفسیات بھی تھے، انہوں نے حصول تعلیم کے لیے نفسیات کے کردار کو واضح کیا ہے۔

علامہ ابن خلدون کا علمی مقام و مرتبہ

ابن خلدون کی تصنیف مقدمہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف کا اس زمین کے جغرافیائی خدوخال، انسانی معاشرے، علوم انسانی، سلاطین اور سلطنتوں، ریاست کی ضروریات اور اس کے اداروں سے متعلق کتنا گہرا مطالعہ تھا مزید برآں مسلم مفکر، تاریخ دان اور ماہر معاشیات و عمرانیات ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم یعنی قرآن اور تفسیر قرآن، حدیث اور اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ، علوم اللسان، علوم تصوف

---

[1] الحنبلي، عبد الحي بن العماد، شذرات الذهب، (بيروت : دار المسيره، 1979)، ج: 7، ص: 76۔
Al-Hanbali, Abdul Hayy ibn Al-Imad, Shazrat al-Dhahab, (Beirut: Dar al-Masira, 1979), Vol: 7, p: 76.

[2] ابن خلدون، عبد الرحمن، التعريف بابن خلدون ورحلته غربا وشرقا، (دارالكتاب اللبنانى، 1979)، ص: 20۔
Ibn Khaldun, Abdul Rahman, Ta'rif Ibn Khaldun wa Rihlatuh Ghurba wa Sharqan, (Dar al-Kitab al-Lubnani, 1979), p: 20.

اور علم الکلام پر بھی دسترس حاصل تھی۔ علم الاعداد و ہندسہ پر بھی ید طولی حاصل تھا۔ علامہ ابن خلدون کے سیاسی افکار ان کے عملی سیاسی مطالعہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ علامہ ابن خلدون کے مقدمہ سے چند ایک اقتباسات ان کی شخصیت کے بیان کے لیے ذیل میں ذکر کیے جارہے ہیں:

جغرافیائی تقسیم

علامہ ابن خلدون کے افکار کے مطابق جغرافیہ کا اثر انسانی نفسیات، رنگ و نسل پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اقالیم میں آنے والی قدرتی آفات کا بھی انسانی احوال پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس حوالے سے علامہ نے جغرافیہ کو ہفت اقلیم میں تقسیم کیا اور وہاں کی آبادی کے خواص ان کے رہن سہن اور تہذیب و تمدن کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان اقالیم میں آبادی کا تناسب اور آبادیوں کے رجحان، علاقوں کے ماہیت یعنی پہاڑ، دریا، ریگستان اور میدانی علاقے کہاں کہاں پائے جاتے ہیں، یہ تفصیلات مختلف مورخین اور تاجروں کے مشاہدات کی روشنی میں درج کی ہے۔

آبادی کی تقسیم

علامہ ابن خلدون نے آبادی کی تقسیم دو طرح سے کی ایک حضری آبادی یعنی شہروں میں آباد اقوام اور دوسرے بدوی لوگ ہیں یعنی دیہاتوں، پہاڑوں اور ریگساتوں میں رہنے والے لوگ۔ علامہ نے بدوی لوگوں کو حضری لوگوں پر ترجیح دی اور بہت تعریف کی ہے کہ یہ لوگ نیکی کرنے میں حضریوں سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں اسی طرح شجاعت و بہادری کا عنصر میں زیادہ پایا جاتا ہے اور عصبیت جو کہ سلطنت کی مضبوطی کی بنیادی اکائی ہوتی ہے ان بدوی لوگوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ دوسری طرف علامہ لکھتے ہیں کہ بدوی نظام زندگی چلانے کے شہریوں کے محتاج اور مغلوب ہوتے ہیں کہ انہیں زندگی کی ضروریات شہروں سے پوری کرنا پڑتی ہیں انہیں اپنا ساز و سامان بیچنے کے لیے شہروں کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ کھیتی باڑی کے آلات خریدنے کے لیے شہروں میں جانا پڑتا ہے۔

علم تاریخ

علامہ ابن خلدون نے علم تاریخ کی اہمیت بیان کی اور اس کی فضیلت میں لکھتے ہیں کہ یہ ایسا علم ہے کہ اس کے ذریعے ہمیں پہلے لوگوں کے حالات ان کے رہن سہن کے انداز، مختلف سلطنتوں اور سلاطین کے احوال

جاننے کو ملتے ہیں اور سب سے بڑھ کر ہمیں انبیائے کرام علیھم السلام کے حالات زندگی اور تعلیمات بھی سیکھنے کو ملتی ہیں۔ تاریخ کی تدوین کے حوالے سے علامہ نے جو اسلوب اپنائے ہیں وہ ماقبل مورخین میں ناپید ہیں۔ علامہ ابن خلدون نے تدوین تاریخ سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"فللعمران طبائع في أحواله ترجع إليها الأخبار و تحمل عليها الروايات و الآثار" [1]

"تاریخی روایات کا تعلق عمرانی احوال وطبائع سے ہوتا ہے اس لیے ان آثار اور روایات کو عمرانی احوال وطبائع پر پرکھا جاتا ہے۔"

اس اصول کے تحت علامہ نے مختلف مورخین کی تعریف کی ہے جن میں ابن اسحاق، ابن جریر طبری وغیرہ اور کچھ مورخین پر جرح بھی کی اور ان کی مختلف روایات پر تبصرہ بھی درج کیا ہے۔ جیسے مسعودی اور واقدی پر بڑی تنقید کی ہے، مسعودی کے حوالے سے لکھتے ہیں: مسعودی نے فرعون سے آزادی کے وقت بنی اسرائیل کی فوج کی تعداد 6 لاکھ بتائی ہے جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک کا عرصہ، اس وقت کے جغرافیائی خدوخال اور عمرانی احوال اس بات کی تصدیق نہیں کرتے۔ اسی طرح سلاطین یمن و عرب اور سلاطین فارس کے احوال میں ایسے ایسے واقعات بیان کیے گئے جنہیں نہ عقل تسلیم کرتی ہے نا جغرافیہ اور نا عمرانی احوال۔ علامہ نے تدوینِ تاریخ میں روایات کو قبول کرنے اور درج کرنے میں ہونے والی اغلاط کے اسباب بھی بڑی تفصیل سے درج کیے ہیں:

علم اللسان

علوم لسانیات میں آپ نے عربی و غیر عربی اور دیہاتی و شہری زبانوں میں فرق بیان کیا۔ زبان کی ترقی کے مراحل زبان کی خصوصیات و نقائص کھول کھول کر بیان کیے ہیں۔ علوم لسانیات میں فن شعر و نثر، شعر کی جملہ اصناف، شہری اور دیہاتی شعراء کے کلام کی خصوصیات اور باہمی فرق، شعر اور نثر کے تعلم کے طریقہ کار، اسلوب، زباندانی میں کلام یعنی تکلم کی اہمیت کو بیان کیا۔ علامہ نے شعری اصناف کا ذکر کرتے ہوئے اشعار بیان کر کے اس کی

[1] ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، مقدمه ابن خلدون، (بیروت: دار الهلال ، 1984)، ص: 4۔
Ibn Khaldun, Abdul Rahman ibn Muhammad, Muqaddimah Ibn Khaldun, (Beirut: Dar al-Hilal, 1984), p: 4.

مثالیں دی ہیں۔

علم الکلام

علم الکلام اور عقلی دلائل سے عقیدہ اسلامیہ پر بحث کی اور عقیدہ توحید کو آسان عقلی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ بعد ازاں علم الکلام کی ضرورت واہمیت اور اس علم کو اپنانے کی وجوہات تفصیل سے ذکر کی ہیں۔ اس بحث میں قرآنی آیات کو ذکر کر کے مزید جاذب بنایا ہے۔ علم الکلام، منطق، فلسفہ کے جملہ جزئیات اور مہارتیں، علم الکلام کی صفات، استدلال اور استدلال کے طریقہ کار، جواب اور اس کے جملہ خواص کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ آپ نے علم الکلام کے ذریعے فرقہ معتزلہ، امامیہ کے عقائد کی عقلی دلائل سے نفی کی ہے آخر میں علم الکلام کے حوالے سے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا: طالبان علم کو یہ علم ضرور مفید ہے اس لیے کہ حاملان سنت کو اپنے مذہب کے ادلہ عقلیہ سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔"[1]

علم الاعداد و سحر

ابن خلدون سحر اور طلسمات کو بھی زیر بحث لائے اور خاطر خواہ معلومات درج کی ہیں۔ اسی ضمن میں علم الاعداد اور اعداد سے زائچے نکالنے کے انداز اور طریقہ کار کو باقاعدہ زائچے اور نقوش بنا کر ان کی وضاحت کی ہے۔

تصوف

تصوف کے بارے میں تفصیلات بیان کی ہیں تصوف کا معنی و مفہوم بیان کیا، کہ تصوف صوف سے مشتق ہے صوفیہ نے اپنے لیے یہ لفظ اس لیے استعمال کیا کہ وہ عام لوگوں سے ہٹ کر سادہ اور موٹے اونی کپڑے پہنتے تھے اس لیے صوفیہ کہلائے۔ پھر آپ نے اہلِ تصوف کے انداز تربیت اور صوفیہ کے مشاہدات و مجاہدات کا ذکر کیا۔ اہلِ شریعت و طریقت اور صوفیہ کے انداز تعلیم و تربیت میں فرق کا ذکر کیا ہے۔ مقدمہ میں آپ نے متقدمین و متاخرین کے ہاں مروج تصوف کے احوال تحریر کیے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے

---

[1] مقدمه ابن خلدون، ص: 467

Muqaddimah Ibn Khaldun, p: 467

شریعت وطریقت اور تصوف کو یکجا کر دیا۔[1]

علم تفسیر

علم تفسیر، حدیث، فقہ اور منطق پر آپ نے قرآنی آیات اور دلائل عقلیہ و نقلیہ سے بحث کی۔ آپ نے قرآنی تفسیر کی بنیادی طور پر دو اقسام بیان کی ہیں۔ ایک نقلی تفسیر یعنی جس میں صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کے اقوال ذکر کیے جاتے ہیں اور دوسری قسم کی وہ تفسیر ہے جس میں علم الکلام علم اللسان کا سہارا لیا جاتا ہے اور حروف و الفاظ پر بحث کرتے ہوئے مفاہیم اخذ کیے جاتے ہیں۔ اس میں آپ نے علامہ جار اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف کا ذکر کیا اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں چونکہ علامہ زمخشری معتزلی تھے تو معتزلہ کے ہاں مروج علم الکلام کا غلبہ زیادہ ہونے کی وجہ سے عموماً اہل سنت نے اس تفسیر کو پسند نہیں کیا۔ قرآن مجید کی تفسیر میں درج چند تاریخی واقعات (باغِ ارم اور شداد) درج کرنے پر مفسرین پر بھی علامہ نے جغرافیائی اور عمرانی احوال کو سامنے رکھتے ہوئے تنقید کی۔

علم حدیث

علم حدیث کے ضمن میں ناسخ و منسوخ کا تذکرہ کیا اور اس پر جن علما نے کام کیا اور اس کی تفصیلات درج کیں ان کا تذکرہ کیا جن میں خاص امام شافعی اور امام زہری کا ذکر کیا۔ جرح و تعدیل اور فن حدیث پر بات کرتے ہوئے صحیح اور ضعیف احادیث پر تبصرہ کیا ہے۔ احادیث کے قبول ہونے یا نا قابل قبول ہونے کے حوالے سے اصولِ حدیث کے ائمہ کی بیان کردہ اقسام کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں۔

علامہ ابن خلدون کے سیاسی افکار

عمارت انسانی

مل جل کر رہنا انسان کی ضرورت ہے۔ انسان مدنی الطبع ہے، انسان طبعی طور پر ہی مل جل کر رہنے کا عادی ہے سادہ لفظوں میں اگر یہ کہیں کہ انسان کے لیے تنہا زندگی کا تصور ہی محال ہے۔ انسان کی اس خاصیت کی بنا پر ابن

---

[1] ایضاً، ص: 469

Ibid, p.469

خلدون نے اسے عمارت انسانی کا نام دیا ہے۔ عمارت انسانی سے مراد انسان کا مل جل کر رہنا ہے۔ ابن خلدون نے انسان کے مل جل کر رہنے سے متعلق تین وجوہات بیان کی ہیں[1] :

ا۔ ضروریات زندگی

ابن خلدون عمارت انسانی کا پہلا سبب ضروریات زندگی کی فراہمی کو سمجھتے ہیں۔ اور اس پر اپنے تجزیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسان ضروریات زندگی کی فراہمی میں مل جل کر رہنے ک پابند ہے، انسان کے لیے تنہا زندگی گزارنا محال ہے صرف ایک دن کی خوراک کو ہی دیکھ لیا جائے تو ایک وقت کی خوراک جو انسان کو میسر ہوتی ہے اس کے انتظام و انصرام میں کتنے لوگوں نے مل جل کر کام کیا، مثلاً خوراک کی تیاری گندم کی پسائی یعنی آٹا بنانا، روٹی بنانا، روٹی بنانے کے لیے لوہے کی تشتری، گندم یعنی فصل کے لیے کھیتی باڑی کرنا اور کھیتی باڑی کے لیے کھیتی باڑی کے اوزار اور ان کی فراہمی، اسی طرح بے شمار مثالیں ہیں جو انسان کی روز مرہ کی ضروریات ہیں ان سب کی فراہمی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انسان مل جل کر رہے اور ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا کرے۔

۲۔ حفاظت زندگی

علامہ لکھتے ہیں انسان کو اپنی زندگی کی حفاظت کے لیے بھی دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنا پڑتا ہے۔ جانوروں کو اللہ تعالی نے پیدا ہی اس ماہیت پر کیا ہے کہ وہ اپنی حفاظت خود کر لیتے ہیں، گر انسان کے جسم کی بناوٹ اس طرح کی نہیں کہ وہ خود اکیلا تمام خطرات سے نبرد آزما ہو سکے۔ جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے جانور انسان سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں مثلاً گھوڑا، شیر وغیرہ جسمانی لحاظ سے انسان سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں مگر انسان اپنی حفاظت کے لیے عقل و دانش استعمال کرتا ہے اور اپنی حفاظت کے لیے مختلف ہتھیار اور اوزار بناتا ہے۔ اب ان اوزار اور ہتھیاروں کی تیاری میں کتنی صنعتیں اور مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان تمام مراحل میں انسان خود اکیلا پورا اتر سکتا اس لیے اسے اپنے جیسے دوسرے لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے جو اس کی مدد کر سکیں۔

۳۔ عادل حکمران

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص: 41

Muqaddimah Ibn Khaldun, p: 41

عادل حکمران کا ہونا بھی بالطبع انسان کی ضرورت ہے۔ جو انسان کو ایک دوسرے پر دست درازی سے روکے اور عدل کو قائم کرے۔ جانوروں سے بچنے کے لیے انسان نے ہتھیار تو بنا لیے اور خود کو جانوروں سے بچا لیا مگر باہم ایک دوسروں سے اگر دست و گریبان ہو گئے تو دوسری کوئی مخلوق اس کی حفاظت نہیں کر سکے گی۔ اب اس مرحلے پر اسے ایک اچھے اخلاق کے مالک حکمران کی ضرورت ہے جو تمام لوگوں پر طاقت رکھتا ہو، جس رعب و دبدبہ تمام لوگوں پر، وہ انہیں میں سے ہو، ان پر حاکم ہو اور لوگ اس کی بات مان بھی لیں۔ علامہ ابن خلدون کے مطابق ایک عادل حکمران کا ہونا انسانی آبادی میں ناگزیر ہے۔

ریاست

عمارت انسانی کی وجوہات میں تیسری وجہ ایک ریاست کا نقطہ آغاز ہے یعنی انسان کو باہمی لڑائی جھگڑوں اور دست و گریبان ہونے سے بچانے کے لیے ایک ایسے شخص کی ضروت پڑتی ہے جو انہیں ایک دوسرے سے الجھنے سے بچائے، اسی پر ریاست کی بنیاد پڑتی ہے۔ ابن خلدون پہلے مورخ ہیں کہ جنہوں نے ریاست کی ضرورت و اہمیت اور ناگزیریت کو سب سے پہلے عمرانی اور سماجی بنیاد فراہم کی ہے۔ ماجد خدوری لکھتے ہیں:

> Muslim thinkers have stressed the necessity of attaching to the concept of society the corollary concept of the state which is regarded as an essential prerequisite for society. Not that the state preceded society, but that the latter's existence is dependent on the former. The state necessarily had arisen as a result of the aggressive and evil propensities of man; for, if these disruptive elements were left unrestrained, society would be ruined. This is, of course, the idea ascribed several centuries later to Hobbes who based his social-contract theory on the assumption of the evil nature of man which made it imperative that he should surrender part of his individual liberty to a superior authority. The contribution of Islamic political theory, accordingly, lies not only in advancing a theory ascribed later to Hobbes, but that the latter, in merely analyzing man's instinct psychologically, failed to show the sociological implications in the relations between man and

society which Ibn Khaldun had grasped three centuries before him.[1]

مسلم مفکرین نے معاشرے کے تصور کے ساتھ ریاست کے بنیادی تصور کو منسلک کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے جسے معاشرے کے لیے ایک لازمی شرط سمجھا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ ریاست سماج سے پہلے کی ہے، بلکہ یہ کہ بعد کا وجود سابق پر منحصر ہے۔ ریاست لازمی طور پر انسان کی جارحانہ اور برے رجحانات کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی۔ کیونکہ اگر ان تخریبی عناصر کو بے لگام چھوڑ دیا گیا تو معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ یقیناً یہ خیال کئی صدیوں بعد ہوبس سے منسوب ہے جس نے اپنے سماجی معاہدہ کے نظریے کی بنیاد انسان کی بری فطرت کے مفروضے پر رکھی جس نے یہ ضروری بنادیا کہ وہ اپنی انفرادی آزادی کا کچھ حصہ اعلیٰ اتھارٹی کے حوالے کر دے۔ اس کے مطابق، اسلامی سیاسی نظریہ کی شراکت نہ صرف ایک نظریہ کو آگے بڑھانے میں مضمر ہے جسے بعد میں ہوبز سے منسوب کیا گیا تھا، بلکہ یہ کہ ہوبس، محض نفسیاتی طور پر انسان کی جبلت کا تجزیہ کرنے میں، انسان اور معاشرے کے تعلقات میں ان سماجی مضمرات کو ظاہر کرنے میں ناکام رہا جو اس سے تین صدیاں پہلے ابن خلدون نے کیا تھا۔

ریاست کا قیام ایک اچانک ہونے والا حادثہ نہیں ہوتا اس کے لیے بے شمار قربانیاں اور کوششیں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات جنگ وجدال بھی ہوتا ہے اور یہ جنگ وجدال کبھی تو بہت جلد ختم ہو کر ایک نئی ریاست اور سلطنت کو وجود بخشتا اور کبھی یہ دیرپا ہوتا ہے۔ دیرپا عموماً تب ہوتا ہے جب عصبیت دونوں طرف برابر ہوتی ہے ورنہ جہاں عصبیت ایک طرف زیادہ ہوتی ہے جلد فیصلہ ہو جاتا ہے اور ہمیشہ زیادہ عصبیت والا گروہ ہی سلطنت پر قابض ہوتا ہے۔ ریاست کی ابتدا ابدوی طرزِ عمل پر ہوتی ہے سلطان سادگی اختیار کرتا ہے۔ اس کی ضروریات بہت کم ہوتی ہیں۔ اپنے اخراجات کو محدود رکھتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ مل جل کر بیٹھتا ہے۔ ان کے حال احوال جاننے کی کوشش کرتا، معاملات باہمی مشاورت سے طے کرتا ہے، جس سے لوگوں میں اعتماد بڑھتا ہے اور عصبیت دوچند ہوتی ہے۔ ان حالات میں سلطنت کا نظام بہت عمدگی سے آگے بڑھتا ہے ریاستی معاملات اور نظام و انصرام کو فروغ ملتا ہے۔ خراج اور آمدنی زیادہ ہوتی ہے عوام خوشحال ہوتے ہیں ان کے حوصلے بڑھتے ہیں۔ اپنے اپنے

[1] Khadduri, Majid, War and Peace in the Law of Islam, The Law-book Exchange, 2006, N.J.USA, P#7

پیشوں میں بڑی ہمت اور دلیری سے کام کرتے ہیں۔

عصبیت

ابن خلدون کہتے ہیں کہ نظام کے اعتبار سے کوئی قبیلہ کتنا ہی سادہ کیوں نہ ہو لیکن اس میں بھی حکومت کے حصول کی قدرتی خواہش ہوتی ہے۔ اس خواہش پر حکومتیں قائم ہوتی ہیں اور مجتمع وجود میں آتا ہے۔ یہی خواہش قبیلے کا دفاع کرتی ہے اور اسے فتح اور جنگ پر آمادہ کرتی ہے۔ ابن خلدون قبائل کی اس خواہش یا خاصہ کو عصبیت کا نام دیتا ہے۔ تاریخ عرب و بربر نے ابن خلدون پر عصبیت کی اہمیت کو واضح کر دیا اور ان کے مطالعے سے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ مجتمع سیاسی قوت کا اصل ذریعہ عصبیت ہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کی فطرت میں اعزاز و اقرباء کی محبت ودیعت کی ہے۔ اسی محبت و شفقت کے ذریعے باہمی تعاون حاصل ہوتا ہے۔ ابن خلدون نے قرآن مجید سے عصبیت کی اہمیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ و نحن عصبۃ کے معنی یہ لیتا ہے کہ جس شخص کے عصبہ موجود ہوں اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں کر سکتا۔

ابن خلدون کا دعوی ہے کہ اہل بادیہ میں عصبیت زیادہ پائی جاتی ہے کیوں کہ اسی کے ذریعے سے بدوی قبائل بیرونی حملوں سے اپنی مدافعت کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ شہری آبادی میں فتنہ و فساد روکنے کے لیے حکام ہوتے ہیں جو داخلی بدامنی سے مجتمع کو محفوظ رکھتے ہیں اور بیرونی حملوں کے لیے فوج، شہر کی فصیل ہوتی ہے۔ البتہ اہل بادیہ کے لیے داخلی فسادات کی روک تھام قبیلے کے سربر آوردہ افراد کرتے ہیں۔ لیکن بیرونی حملوں کا مقابلہ اس قبیلے کے سرفروش نوجوان ہی کرتے ہیں اور کامیاب مقابلے کے لیے نوجوانوں میں عصبیت کی موجودگی لازمی ہے۔

ابن خلدون کے نزدیک عصبیت نسب و رشتہ کے علاوہ دین کے ذریعے بھی حاصل ہوتی ہے بلکہ دینی عصبیت قبائلی اور نسبی عصبیت کے مقابلے میں زیادہ موثر ثابت ہوتی ہے۔ ابن خلدون تاریخ عالم سے مثالیں دے کر واضح کرتا ہے کہ جو قومیں لادینیت میں مبتلا ہوتی ہیں وہ ان قوموں کے مقابلے میں میدان سے بھاگ نکلتی ہیں جن میں مذہبی جوش پایا جاتا ہے۔ قرون اولی میں اسلامی فتوحات کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں میں دونوں قسم کی عصبیت جمع ہو گئی تھیں جن کی وجہ سے قیصر و کسری کی حکومتیں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں۔

علامہ ابن خلدون نے عصبیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عصبیت ہمیشہ نسبی تعلقات سے پیدا ہوتی ہے۔

صلہ رحمی کا جذبہ ہمیشہ انسان میں موجود رہتا ہے۔ جب انسان اپنی عزیز یا کسی بھی قریبی تعلقات دار کو کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا دیکھتا ہے تو وہ اپنی جان پر بھی کھیل جاتا ہے اور خود کو مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ قرابت اور رشتہ داری جتنی قریب کی ہو عصبیت اتنی زیادہ ہو گی اور اگر خون ایک ہو تو شفقت اور خیر اندیشی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں اور اپنے عزیز کو پریشانی میں دیکھ کر انسان کا خون کھول اٹھتا ہے۔ خون کے رشتے کے علاوہ یعنی نسبی تعلق داری کے علاوہ ولاء یعنی باہمی پیار محبت بھی عصبیت کا ایک سبب ہوتا ہے۔ وہ ولاء جو کسی ایک علاقے میں ایک ماحول میں کافی عرصہ اکٹھا رہنے سے انسان میں پیدا ہو جاتا ہے۔[1]

علامہ ابن خلدون نے ریاستی قیام کے تصور، قیام کی بنیاد، ریاستی قیام کے عمل، قیام کے فروغ، ریاستی استحکام اور ریاستی انتظام و انصرام میں عصبیت کو بہت اہمیت دی ہے۔ عصبیت کو سلطنت کے قیام کا بہت بڑا محرک شمار کیا ہے۔ بلکہ یہاں تک لکھا کہ عصبیت کے بغیر سلطنت کا قیام ہی محال ہے۔ ریاست کو حاصل کرنے کے لیے ایک عصبیت ناکافی ہے۔ بہت سی عصبیتیں مل کر سلطنت قائم کرتی ہیں ان عصبیتوں میں سے ایک عصبیت سب پر بھاری ہوتی ہے جو سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے اور اسی کا رعب و دبدبہ باقی عصبیتوں کو اپنے میں ضم کر لیتا ہے۔ ہمیشہ قبیلہ کے اسی گھر میں حکومت رہتی ہے جس میں عصبیت زیادہ ہوتی ہے۔ جن اقوام میں عصبیت پائی جائے ان پر کبھی کوئی غیر عصبیت والی قوم حاکم نہیں بن سکتی۔[2]

مذہبی دعوت اور اشاعت و تبلیغ میں بھی عصبیت کا اہم ہاتھ ہے۔ اور اس پر علامہ ابن خلدون نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما بعث الله نبيا إلا في مِنْعَةٍ من قومه[3]

جہاں عصبیت کی اتنی تعریف کی وہاں عصبیت کا ایک نقصان یہ بیان کیا کہ جب بہت سے قبائل ایک جتنی

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص: 129

Muqaddimah Ibn Khaldun, p: 129

[2] ایضاً، ص: 132

Ibid, p.132

[3] ایضاً، ص: 159

Ibid, p.159

عصبیت کے حامل ہوں وہاں کوئی بھی حکومت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی یعنی اس سلطنت کو دوام حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب ہر گروہ اور قبیلہ اپنی عصبیت کی طاقت دکھائے گا، کوئی بھی قبیلہ ایک دوسرے پر حکومت قائم نہیں رکھ سکے گا بالآخر ہو گا یہ کہ کوئی باہر سے بڑی عصبیت جمع کر کے ان پر قبضہ کر لے گا۔ اس حوالے سے علامہ نے بے شمار علاقوں کی مثالیں بھی دی ہیں جیسے قبائل فلسطین، کنعانی، بنو عیصو، بنو مدین، بنی لوط، روم اور عمالقہ وغیرہ، ایک جیسی عصبیت کے مالک تھے ہمیشہ جنگ جدال لڑائی جھگڑے رہتے اور کوئی بھی ریاست قائم نہ کر سکے اور نا انہیں دوام مل سکا۔

عصبیت کے خاتمے کے اسباب

علامہ ابن خلدون نے عصبیت کے خاتمے کے بھی اسباب بیان کیے ہیں۔ مثلاً جب ایک قوم ایک عرصے سے کسی قوم کی مرہون منت ہو جائے اور ان کے زیر دست ہو جائے اور ان کے رعب و دبدبہ میں رہنے کی عادی ہو جائے تو ان کی باہمی عصبیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہنے کی عادی ہو جاتی ہے۔ اور جس قوم میں عصبیت نہ ہو وہ کبھی غلبہ نہیں پاسکتی اس سلسلے میں علامہ نے بنی اسرائیل کے احوال بیان کیے ہیں کہ جب وہ صحرا میں سے گزر رہے تھے اور اللہ تعالی نے شہر میں اترنے کا حکم دیا مگر قوم جو دوسروں کے ظلم و ستم سہنے کی عادی ہو چکی تھی اس میں عصبیت نہیں تھی تو اس شہر میں موجود لوگوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اس شہر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اللہ تعالی نے پھر 40 سال اسی صحرا میں بھٹکتے رہنے دیا۔ تاکہ اسی زمانہ 40 سال میں مر کھپ جائے اور پھر انہیں سے ایک خوددار قوم پیدا ہو کہ جس نے غلامی نہ دیکھی ہو ان میں عصبیت بہت ہو گی جس سے ان میں لڑنے اور غلبہ پانے کی صلاحیت بھی موجود ہو گی۔[1]

ریاست کو کمزور کرنے والے اسباب

جب تک سلطان اپنے عصبیت کو قائم رکھتا ہے وہ سلطنت میں ترقی کی منازل طے کرتا رہتا ہے۔ وہ عصبیت زندگی کو موت پر ترجیح دیتی ہے اور ریاستی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرتی رہتی ہے۔ سلطنت کے زوال کی تین اسباب

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص: 141

Muqaddimah Ibn Khaldun, p: 141

ہیں۔[1]

پہلی وجہ: جاہ و مرتبہ حاصل کرنے کے بعد سلطان جب خود کو مطلق العنان سمجھنے لگتا ہے اور اپنی عصبیت کو نظر انداز کر کے دوسروں پر انعام و کرام کے دروازے کھولتا ہے تو وہ لوگ جنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر ملک حاصل کیا ہوتا ہے وہ آہستہ آہستہ دلبرداشتہ ہو کر اس کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں بادشاہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے دوسرے اقوام کو انعام و کرام دے کر اپنا حمایتی بناتا ہے گویا وہ ایک اور عصبیت بنالیتا ہے چونکہ یہ عصبیت خون ورحم کے رشتہ سے خالی ہوتی ہے اس لیے یہ پہلی عصبیت کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی۔ جب اس عصبیت کو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے تو وہ سلطان پر اپنا رعب بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سلطان ان پر بھی ظلم و ستم کا دست دراز کرتا ہے اور ان کے مقابلے میں ایک اور عصبیت بنالیتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے آہستہ آہستہ یوں عصبیت کی کمی اور عدم دلچسپی ریاست کے ستون گرادیتی ہے۔

دوسری وجہ: ملک حاصل کرنے اور دولت کے غلبہ کے بعد اقوام و قبائل کا پر تعیش ہونا اور فارغ البال ہونے کہ وجہ سے سہل پسندی میں مبتلا ہونا فطری بات ہے۔ پر تعیش باش ہونا اس قدر خطرناک ہوتا ہے کہ اخراجات بڑھ جاتے ہیں آمدنی کم رہ جاتی ہے سلطان کی طرف سے ملنے والے عطیات اور وظائف پر گزارا مشکل ہو جاتا ہے۔ ضروریات پوری نہ ہونے کی وجہ سے لوگ سلطان سے تعلق داری پر ناخوش ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ اپنی ضروریات کے لیے دوسرے ذرائع کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ اس عصبیتی خلا کو پر کرنے کے لیے سلطان یہ کام افواج سے لیتا ہے۔ افواج کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں اس وجہ سے ریاست پر بوجھ بڑھنے لگتا ہے۔ تکلفات کو پورا کرنے کے لیے سلطان کو تنخواہیں زیادہ کرنا پڑتی ہیں اس طرح کی صورت حال سے سلطان پر دباؤ بڑھتا ہے۔ تنخواہیں زیادہ ہونے کی وجہ سے سلطان کو سپاہ کم کرنا پڑتی ہے۔ یہ سلسلہ رکنے والا نہیں ہوتا بالآخر سلطنت کا وقت پورا ہو چکا ہوتا ہے اور محکوم قبائل اور عصائب دست درازی کرتے ہیں اور سلطنت ختم ہو جاتی ہے۔

تیسری وجہ: سلطنت کے حصول کے بعد جب غلبہ مکمل حاصل ہو جاتا ہے تو حالات پر سکون ہوتے ہیں اور

---

[1] ایضاً، ص: 168

Ibid, p.168

لوگ جو پہلے جفاکش ہوتے ہیں، محنت کرتے ہیں، جوش و جذبہ ان کی صلاحیتوں کو نکھارتا ہے، وہ اب حصولِ سلطنت کے بعد آرام پسند ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جفاکشی و محنت اور جنگلوں اور صحراؤں میں رہ کر راستے کی تلاش کرنے کی جستجو والا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے پھر سلطان اپنی ضروریات کے لیے کسی دوسری قوم سے رجوع کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی سپاہ و خدمت کے لیے بھرتی کرتا ہے جس سے عصبیت کا خاتمہ ہوتا ہے اور دوسری اقوام اپنی عصبیت کی دھاک بٹھانے کے لیے بادشاہ کو بھی اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور ضروری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سلطنت کمزور ہو جاتی ہے۔

ان تین اسباب کے علاوہ بھی علامہ ابن خلدون نے وہ وجوہات بتائی ہیں جن سے نظام سلطنت کمزور ہو جاتا ہے۔ سلطان کا مسلوب الاختیار ہونا سلطنت کی کمزوری کی بہت بڑی علامت ہے[1]۔ یعنی کسی قوم کو غلبہ مل جاتا ہے اور مضبوط عصبیت کی وجہ سے حکومت ایک خاندان میں چلی جاتی ہے اور پھر اس خاندان میں ولی عہد متعین ہوتے ہیں اور اسی خاندان کو ہی وارثِ سلطنت سمجھا جاتا ہے تو اس میں کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ کمزور اور نااہل سلطان مقرر ہوتے ہیں، بعض اوقات سلطان اپنی عیاشیوں میں پڑ جاتے ہیں، وزراء مضبوط ہوتے ہیں وہ وزرا اس سلطان پر اپنا تسلط اور غلبہ مضبوط کر لیتے ہیں۔ سلطان کو اس کی عیاشیوں کا مکمل وقت دیتے ہیں اور سلطان کو نظام سلطنت کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی فراہم نہیں کرتے اور خود نظام سلطنت سنبھال لیتے ہیں۔ آہستہ آہستہ سلطان کو اس بات کا یقین ہونے لگ جاتا ہے کہ سلطان کا کام صرف لوگوں میں انعام و کرام تقسیم کرنا ہے اور محفل کا مہمان خصوصی بننا ہے اس طرح سلطان کے ہاتھ سے سلطنت جاتی رہتی ہے۔

مال و دولت میں خلل سلطنت کی کمزوری کی بڑی وجہ ہے۔ مال دولت میں خلل تب پیدا ہوتا ہے جب سلطنت کے حصول کو ایک زمانہ گزر چکا ہوتا ہے لوگ بدویانہ اندازِ زندگی سے نکل کر حضری اور شہری، پر تکلف زندگی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ ان کی ضروریات پوری نہیں ہوتی تو بادشاہ سے زیادہ انعام و کرام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بادشاہ خود بھی بدویانہ زندگی کا خوگر ہوتا ہے اس کے اخراجات بہت کم ہوتے ہیں۔ لوگوں کے مال و متاع کی

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص: 185

Muqaddimah Ibn Khaldun, p: 185

طرف اتنی توجہ نہیں ہوتی مگر سلطنت کے قیام کے بعد آہستہ آہستہ جب سلطنت حضری پر تکلف انداز حیات کی طرف بڑھتی ہے تو اخراجات زیادہ ہونے لگتے ہیں تنخواہیں بڑھنے لگتی ہیں۔ سلطان بھی ٹیکس اور لگان بڑھانا شروع کر دیتا ہے، جیسے جیسے لگان بڑھتے ہیں لوگوں کے حوصلے کم پڑتے ہیں ان کی محنت کا نہیں صلہ نہیں ملتا، تو کاروبار سے ہاتھ کھینچنے لگتے ہیں، ادھر بادشاہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سلطنت کو کاروبار میں لگا دیتا ہے اور اب عام تاجروں اور کام کرنے والوں کے مقابلے میں جب سلطنت خود ایک تاجر بن کر کھڑی ہو تو چھوٹے تاجروں کا کاروبار بند ہو جاتا ہے، چھوٹے تاجر مجبور ہو کر اپنا مال سستے میں بیچ دیتے ہیں۔ اس طرح ان کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور یوں تجارت میں توازن قائم نہیں رہتا اور آہستہ آہستہ یہ سلسلہ مال و متاع میں خلل کا باعث بنتا اور نتیجۃً سلطنت مالی طور پر کمزور ہوتی ہے اور یوں ایک وقت آتا ہے کہ سلطان اہلِ سیف یعنی سپاہ کو انعام و کرام کا لالچ دیتا ہے مگر سلطنت کی خود مالی حالت بہت کمزور ہونے کی وجہ سے سپاہ اس لالچ میں نہیں پڑتے اور دائیں بائیں سے بغاوتیں سر اٹھانے لگتی ہیں اور یوں سلطنت روبہ زوال ہو جاتی ہے۔[1]

اخلاقِ حمیدہ

اچھے اخلاق ہمیشہ سے مطلوب رہتے ہیں۔ علامہ لکھتے ہیں کہ اچھے اخلاق حصولِ ملک و سلطنت کا تقاضا ہوتے ہیں۔ انسان بالطبع اچھے اخلاق کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔ اور رذائل و اخلاق فاسدہ ہمیشہ حیوانی جبلت کی علامات ہوا کرتے ہیں۔ چونکہ ملک و سلطنت انسانی خاصہ ہے تو اس کے لیے بھی اچھے اخلاق مطلوب و مقصود ہیں۔ جب تک قوموں میں اچھے اخلاق کا دور دورہ رہتا ہے قومیں قیادت و سیادت کا فریضہ سر انجام دیتی رہتی ہیں۔ اور یہ اچھے اخلاق کی صفت عموماً بدوی آبادی میں زیادہ ہوتی ہے اس لیے ان میں عصبیت کا عنصر بھی زیادہ پایا جاتا ہے۔ اخلاق جتنے اچھے ہوں گے سلطنت کا دائرہ کار اتنا وسیع ہو گا۔ اخلاق حمیدہ اس قوم کے ہر فرد میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں مثلاً مہمان نوازی کرنا، محنت و مشقت سے جی نا چرانا، مکروہات پر صبر کرنا، ایفائے عہد کا خوگر ہونا، دین داروں کی عزت کرنا، شریعت کا پابند ہونا، علماء و اہلِ علم کی قدر کرنا، مشائخ و اکابر کی تعظیم کرنا، مساکین اور کمزور

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص: 296

Muqaddimah Ibn Khaldun, p: 196

لوگوں کی مدد کرنا، سخاوت کرنا یہ ایسے اخلاق ہیں جو کسی بھی قوم کو قیادت و سیادت کا حق دیتے ہیں۔[1]

مغلوب اقوام کے حالات

علامہ ابن خلدون مغلوب اقوام کے حالات بیان کرتے ہیں کہ مغلوب قوم جب کسی قوم کے زیر تسلط آتی ہے تو اس میں چستی اور جفاکشی ختم ہو جاتی ہے۔ سستی اور کاہلی کا خوگر ہو جاتی ہے۔ محنت و مشقت سے جی چراتی ہے۔ آہستہ آہستہ اپنی اقدار کھو بیٹھتی ہے اور یوں ذلت و خواری میں اپنی عصبیت بھی کھو بیٹھتی ہے۔ تمدن و آبادی میں نقصان واقع ہوتا ہے، قوت مدافعت ختم ہو جاتی ہے اور یوں حاکم اقوام کے ظلم و ستم کا شکار ہو کر مٹ جاتی ہیں۔

مغلوب اقوام ہمیشہ وضع و قطع، رہن سہن کے انداز، چال ڈھال اور مذہب و لباس مختصر یہ کہ ہر حوالے سے اپنی غالب قوم کی نقل کرتی ہے۔ غالب قوم کو ہمیشہ درست اور اچھا سمجھتی ہے۔ اس پیروی اور ان کے طور طریقوں کو اپنانے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ غالب قوم کا غلبہ اپنی کمزوری نہیں بلکہ غالب قوم کا ہنر اور استطاعت سمجھتے ہوئے اس کی عادات اور معاملات کے طور طریقوں کو اپنا کر اپنا خلا پر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جب مغلوب قوم یہ سمجھتی ہے کہ یہ سربراہی انہیں عصبیت نہیں بلکہ ان فنون و ہنر کی بدولت ملی ہے تو مغلوب قوم کو دھوکہ ہوتا ہے وہ اپنی غلطی کی طرف دھیان دینے کی بجائے غالب قوم کی پیروی میں لگ جاتی ہے۔[2]

علامہ ابن خلدون کے سیاسی افکار موجودہ پاکستانی حالات کے تناظر میں

علامہ ابن خلدون کے سیاسی افکار کے مطالعہ کے بعد جب ہم پاکستانی حالات کے منظر نامے پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ کچھ فرق کے ساتھ علامہ ابن خلدون ہمارے ہی حالات بیان کر رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سلطان کی جگہ اگر وزیر اعظم کو رکھا جائے اور سپاہ کی جگہ گورنمنٹ ملازمین کو دیکھا جائے، ایسے ہی عصبیت کے

---

[1] ابن خلدون، مقدمه، (مترجم، مولوی عبد الرحمن)، (لاہور: مطبع حمیدیه سٹیم پریس، اشاعت دوم، 1910)، ج: 2، ص: 183

Ibn Khaldun, Muqaddimah, (Translated by Maulvi Abdul Rahman), (Lahore: Matba Hamidiya Steam Press, 2nd edition, 1910), Vol: 2, p: 183.

[2] مقدمه ابن خلدون، ص: 147

Muqaddimah Ibn Khaldun, p: 147

معاملے میں ایک خاندانی عصبیت کی جگہ سیاسی پارٹیوں کی عصبیت کو پرکھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابن خلدون کا پاکستانی سیاست اور حالات سلطنت و مملکت پر گہری نظر تھی۔

عصبیت

علامہ کے ہاں کسی بھی قوم وملت کو ریاست کے حصول کیلیے عصبیت کا ساتھ لازمی ہے۔ عصبیت کے بغیر کوئی ریاست معرض وجود میں نہیں آسکتی[1] اور پھر علامہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ریاست قائم ہو رہی ہوتی ہے تو ایک عصبیت ریاست قائم نہیں کر سکتی کئی عصبیتیں مل کر یہ کارنامہ سر انجام دیتی ہیں اور پھر ایک عصبیت ان میں سے جو مضبوط ہوتی ہے وہ سربراہی اور نظام سلطنت چلانے کے قابل ہوتی ہے[2]۔ جب ہم اس پیرائے میں ملک پاکستان کو دیکھتے ہیں تو قیام پاکستان میں ہندوستان کی کتنی عصبیتوں نے مل کر کام کیا اور پاکستان کے حصول کو ممکن بنایا، مثلاً قائداعظم محمد علی جناح جو کہ ہندوستان میں خالص مذہبی اور دینی عصبیت کے حامی تھے، کو بلوچ قوم کو اپنے ساتھ ملانا پڑا، ادھر سرحدی پشتون اقوام کو اپنا دست وبازو بنانا پڑا، اسی طرح کشمیری اقوام کے دل جیتنے پڑے اور یوں اتنی عصبیتیں ملیں تو پاکستان کا حصول ممکن ہوا، پھر یہ تھوڑے عرصے کی بات نہیں بلکہ سالوں کی جدوجہد اور محنت شاقہ کا نتیجہ ہے کہ پاکستان 14 اگست 1947 کو معرض وجود میں آیا۔

قائداعظم محمد علی جناح جو ایک خالص مذہبی اور دینی عصبیت پر کام کر رہے تھے جب پاکستان معرض وجود میں آگیا تو یہی عصبیت مختلف سیاسی گروہوں میں بٹتی گئی۔ زمانے پر زمانے گزرتے گئے اور آج یہ عصبیت اس قدر سیاسی گروہوں میں حلول کر چکی ہے کہ وہ ایک عصبیت جو قائداعظم کے زمانے میں تھی اس کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ملتا یعنی وہ عصبیت جس نے پاکستان بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا وہ مفقود ہو گئی۔ علامہ اسی عصبیتی کمزوری کو سلطنت کی کمزوری سمجھتے ہیں۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص: 154

Muqaddimah Ibn Khaldun, p: 154

[2] ایضاً، ص: 166

Ibid, p.166

علامہ کہتے ہیں کہ جہاں بہت عصبیتیں ہوں وہاں کا نظام حکومت اور نظام سلطنت مضبوط نہیں ہوتا[1]۔ آج اگر ہم دیکھیں ملک پاکستان کی حالت اسی وجہ سے ہے کہ ہر سیاسی گروہ اپنی عصبیت کا اظہار کرتا ہے اور الیکشن میں اس عصبیت کو استعمال کرتا ہے اور نتیجہ کیا نکلتا ہے کہ کوئی مضبوط حکومت نہیں بن پاتی۔ اس طرح نظام حکومت آگے نہیں چل پاتا۔ یہ تمام سیاسی عصبیتیں خود کو مضبوط اور دوسروں کو کمزور کرنے کے چکر میں 5 سال کا عرصہ گزار دیتی ہیں اور پھر وہی پانچ سال کے بعد الیکشن اور پھر وہی عصبیتیں اس طرح پاکستان دن بہ دن روبہ زوال ہے۔

علامہ کہتے ہیں جب سلطنت معرض وجود میں آجاتی ہے اور استحکام قائم ہو جاتا ہے تو سلطان اور اس کے وزرا آرام پرستی اور پر تعیش اندازِ زندگی میں پڑ جاتے ہیں[2] ابتدا میں یہ سادہ طرز زندگی اپناتے ہیں، اور عوام کے فلاح و بہبود کا خیال رکھتے ہیں، لوگوں میں مل جل کر کام کرتے ہیں، محنت و مشقت کے عادی ہوتے ہیں یہ ساری صفات ہمیں قائد اعظم اور ان کے رفقا میں ملتی ہیں۔ جب نظام قائم ہو جاتا ہے تو سلطان اور وزرآرام پرستی میں پڑ جاتے ہیں حضری اندازِ زندگی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور ان کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ تکلفات کو پورا کرتے کرتے اخراجات اور آمدن میں توازن قائم نہیں رہتا اور مالی خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ اس مالی خلل کی وجہ سے معیشت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہی حال آج ہم دیکھیں تو پاکستان کا ہے، وزیر، مشیر، بیوروکریٹ، حکومتی مشینری کے تمام ستون اور ان پر براجمان شخصیات ان کے چال ڈھال، رہن سہن کے طور طریقے، ان کا اندازِ زندگی دن بہ دن ترقی کرتا چلا جارہا ہے۔ ان کے سرکاری اخراجات کی ایک لمبی فہرست ہے، ماہانہ اور سالانہ دفتری اخراجات ہیں، بل منظور ہوتے ہیں بجٹ کھائے جاتے ہیں، یہ وہ اخراجات ہیں جن کا کوئی حساب کتاب نہیں ہے اس کے بعد ان کی مراعات اور ان پر تنخواہیں الگ ہیں۔ ان مراعات اور سہولیات کے عادی افسر شاہی کی تنخواہیں ان کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ناکافی ہیں، ان مالی بے ضابطگیوں اور مالی خلل کو پر کرنے کے

---

[1] ایضاً، ص: 164

Ibid, p.164

[2] مقدمہ ابن خلدون، ص: 167

Muqaddimah Ibn Khaldun, p: 167

لیے حکومت کو مزید تنخواہیں بڑھانا پڑتی ہیں اور یہ تنخواہیں پھر بھی ملازمین کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی۔ حکومت اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے آئے دن مختلف قسم کے ٹیکس عائد کرتی جارہی، آئل کی مد میں، انکم ٹیکس کی مد میں، شرح سود کی مد میں، گورنمنٹ جنرل سیلز ٹیکس کی مد میں، اسی طرح بجلی کے بل اور ان بلوں میں بے شمار ٹیکسز، برامدات پر ٹیکس، درآمدات پر ٹیکسز کی بھرمار اس قدر ٹیکسز کی صورت میں عام تاجر کا کاروبار ٹھپ ہوتا جارہا ہے اور حکومتی مشینری کی ضروریات پھر بھی پورا نہیں ہو رہیں۔ علامہ ابن خلدون کے ہاں یہ زوال کی پیشین گوئی ہے۔

معاشرتی رہن سہن

معاشرتی رہن سہن کے حوالے سے علامہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ مغلوب اقوام غالب اقوام کی پیروی کرتی ہیں اور ان کے چال ڈھال، رہن سہن کے انداز، ان کے تہذیب وتمدن کو اپنانے میں فخر محسوس کرتی ہے[1]۔ اگر اس پیرائے میں پاکستان کے شہریوں کو دیکھیں تو ان کے لباس، لسانیات، خوراک، انداز بود وباش اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بھی آج مغرب کی دلدادہ نظر آتی ہیں، انگریزی لباس پہننا قابل فخر سمجھا جاتا ہے، انگلش بولنا ترقی کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔

مغلوب اقوام سستی اور کاہلی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو پاکستان میں افرادی قوت کی کوئی کمی نہیں، Dawn نیوز پیپر نے (UNDP) United Nation Development Program کے حوالے سے 3 مئی 2018 کو ایک رپورٹ شائع کی:

> Titled Unleashing the Potential of a Young Pakistan the report says 64pc of the total population is below the age of 30 while 29pc is between the ages of 15 and 29 years. It is one of the youngest countries in the world and the second youngest in the South Asian region after Afghanistan.[2]

---

[1] ایضاً، ص: 147

Ibid, p.147

[2] https://www.dawn.com/news/1405197, 5 may, 2023

عنوان "پاکستان کی جوان نسل کی قابلیتوں کو بروئے کار لانا" ہے، رپورٹ کے مطابق کل آبادی کا 64 فیصد 30 سال کی عمر کے نیچے ہے جبکہ 29 فیصد کی عمر 15 سے 29 سال کے درمیان ہے۔ یہ دنیا کے سب سے جوان ممالک میں سے ایک ہے اور افغانستان کے بعد جنوب ایشیائی علاقے میں دوسرا سب سے جوان ممالک میں شامل ہے۔

جس ملک کی اتنی آبادی نوجوانوں پر مشتمل ہو اس ملک و قوم کے لیے ترقی کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا مگر یہاں پاکستان کا حال دیکھیں اتنی نوجوان آبادی کے باوجود سستی کاہلی کا دور دورہ ہے، محنت و مشقت کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں ہے۔ پاکستان مغلوب نہیں ظاہری طور پر آزاد ملک ہے لیکن اس کے اندازِ زندگی اور رہن سہن کے حالات مغلوب اقوام جیسے ہیں۔ 76 سال ہو گئے آزاد ہوئے ہماری قومی زبان اردو ہے مگر آج تک دفتری زبان انگریزی ہی چلی آرہی ہے۔

اخلاق حمیدہ

علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ اچھے اخلاق کی مالک اقوام ہمیشہ قیادت وسیادت کی اہل ہوتی ہیں۔ دور دراز علاقوں پر حکومت کرنے والی اقوام کے اخلاق بھی اتنے ہی اچھے ہوتے ہیں۔ مگر جو قومیں برے اخلاق یا رذائل کی طرف مائل ہوتی ہیں ان میں حیوانیت کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ قیادت کا حق بھی نہیں رکھتیں[1]۔ اب اگر ایک نظر پاکستانی سیاسی قائدین اور سیاسی رہنماؤں پر ڈالی جائے جنھوں نے قوم کو لے کر چلنا ہے تو ان کے اخلاق کچھ ایسے ہیں کہ صبح شام ایک دوسرے پر طعن و تشنیع، جھوٹے بہتان، گالم گلوچ کرنا، ایک دوسرے کو نیچا دکھانا، وعدہ خلافی کرنا، سرِ عام میڈیا پر آکر جھوٹ بولنا، ایک دوسرے پر طنز کے تیر برسانا، ایسی کئی مثالیں ہیں کہ اخلاق عالیہ کی کہیں رمق نظر نہیں آتی۔ سوشل میڈیا اس دور میں وقت کا بہت اہم مصرف بن چکا ہے۔ سوشل میڈیا میں جب مختلف ٹولز اور ایپس کا مشاہدہ کریں تو اخلاقیات کا جنازہ نکلا ہوا نظر آتا ہے۔ سیاسی حریفوں کو سرعام گالم گلوچ ہوتے ہوئے دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔ کسی کی عزت نفس کو تار تار کرنے کے لیے سوشل میڈیا کا عام استعمال کیا جاتا ہے۔ مختصر

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص: 142-143

Muqaddimah Ibn Khaldun, p: 142-143

یہ کہ قوم کا ایک بہت بڑا حصہ اخلاقی پستی میں گر چکا ہے انہیں حالات کے پیش نظر علامہ کہتے ہیں کہ ایسی اقوام کو قیادت کا حق حاصل نہیں ہے۔

معاشی ظلم معاشرتی فساد کا سبب

علامہ کہتے ہیں کہ ظلم معاشرے کو خراب کرتا ہے۔ جب رعایا کی جمع پونجی پر بادشاہ ہاتھ صاف کرے اور غصب کرنے کی کوشش کرے، رعایا کا مال ہتھیا لیا جائے تو عوام میں مایوسی پھیلتی ہے لوگ محنت سے جی چرانے لگتے ہیں اور بازار کے بازار ویران ہو جاتے ہیں۔[1] پاکستانی معاشی و معاشرتی صورتحال بھی کچھ ایسی ہی ہے جیسی علامہ کے مشاہدات میں آئی ہے، لوگوں پر دن رات معاشی ظلم و ستم کے پہاڑ گرائے جاتے ہیں، اشیائے خورد و نوش کی قیمت ہو یا پیٹرول کی قیمت، سامان زیست ہو یا کاروباری راس المال ہر چیز میں بے لگام و بے جا ٹیکسز کی بھرمار، بجلی کی اصل قیمت کے علاوہ اس میں ان گنت ٹیکسز یہ سب کیا ہے؟ عوام سے پیسہ اکٹھا کیا جا رہا ہے اسے نام جو بھی دے دیا جائے۔ جب ایک کاروبار میں تاجر جو کمائے گا وہ ٹیکسز کی صورت میں گورنمنٹ کو ہی دے دینا ہے تو تاجر کب تک اس طرح تجارت کو لے کر چل سکتا ہے۔ اس طرح تاجر برادری کی حوصلہ شکنی ہو گی اس صورت کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر چیز کی قیمت بڑھ جائے گی اور عام آدمی کا جینا مشکل ہو جائے گا اور نتیجۃً بے رہروی، چوری ڈاکہ زنی، قتل و غارت اور برے اخلاق کو فروغ ملے گا اور مجموعی طور پر معاشرہ پستی میں گامزن ہو جائے گا۔

بادشاہ اور موالی و وزراء کا مالدار ہونا

علامہ کہتے ہیں کہ سلطنت کے وسطی زمانہ میں بادشاہ اور اس کے موالی و وزرا مالدار ہو جاتے ہیں۔[2] علامہ کے ہاں چونکہ سلطنت کی بھی ایک عمر ہوتی ہے اس لیے وسطی زمانہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ پاکستان کا وسطی زمانہ ہے اور پاکستان کی عمر آدھی گزر چکی ہے۔ لیکن علامہ نے جس دور کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس دور کی خرابیاں گنوائی ہیں اس کے آثار آج ہمیں پاکستان میں ملتے ہیں۔ مہنگائی کا طوفان ٹھاٹھیں مار رہا ہے

---

[1] ایضاً، ص: 286

Ibid, p.286

[2] ایضاً، ص: 283

Ibid, p.283

لوگ بھوک سے نڈھال ہیں، بچوں کو قتل کیا جارہا ہے، غرب و افلاس کی وجہ سے ہونے والی معاشرتی برائیاں عروج پر ہیں، لوگوں کا دووقت کا کھانا مشکل ہو گیا ہے۔ مگر ہمارے ملک پاکستان کے بیوروکریٹ، سیاست دان، وزیر مشیر، حکمران اور ارباب اقتدار اور بڑے بڑے عوامی و سرکاری عہدوں پر براجمان شخصیات کی مالی کیفیت کا اندازہ کریں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے، بلکی و غیر ملکی بنک ان کے پیسوں سے بھرے پڑے ہیں، آف وشر کمپنیوں کا انکشاف ہر روز ہوتا ہے۔ کسی کے گھر سے اربوں روپے نکلتے ہیں تو کہیں سے بے نامی جائیدادیں ظاہر ہوتی ہیں، یعنی اس وقت پاکستان کے ارباب اقتدار کتنے مالدار ہیں شاید انہیں خود بھی معلوم نہ ہو، علامہ کہتے ہیں یہ زوال کی طرف قدم ہوتا ہے، بادشاہ اور وزرا اس مال و جائیداد کو اپنا حق سمجھتے ہیں اور ملک حاصل کرنے میں کی گئی اپنی محنت کا صلہ سمجھتے ہیں۔

اقتدار کا زعم

جب کسی سیاسی پارٹی کو اقتدار ملتا ہے اور وزیر اعظم منتخب کیا جاتا ہے اور پارٹی ملک کی باگ دوڑ سنبھالتی ہے تو ساتھ ساتھ سیاسی انتقام کی آگ بھی روشن کر دی جاتی ہے۔ کبھی زبانی گولا باری اور سابقہ حکومت پر لعن طعن کا سلسلہ شروع ہوتا ہے کبھی ان گنت کیسز کی بھرمار سے سیاسی حریفوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے اور انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ سیاسی حریفوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھنا حکومت وقت کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔ علامہ کہتے ہیں جب بادشاہ خود کو مطلق العنان سمجھنے لگتا ہے تو آہستہ آہستہ بے شمار مسائل سر اٹھاتے ہیں بالآخر اس کی ریاست و سلطنت کو زوال شروع ہوتا ہے۔

معاشی، اخلاقی اور سیاسی اصلاحات کے لیے تجاویز

ذیل میں ہر ایک پہلو پر الگ الگ تجاویز درج کی جارہی ہیں۔

معاشی اصلاحات کے لیے تجاویز

- افسر شاہی یعنی حکومتی مشینری کا انداز زندگی بدویانہ یعنی سادہ کیا جائے۔
- سرکاری اخراجات ختم کیے جائیں۔
- جب ماہانہ تنخواہ کی مد میں پیسہ مل رہا ہے تو افسر شاہی کی مراعات (فری بجلی، فری فیول وغیرہ) ختم کی جائیں۔

- سرکاری دوروں کی مد میں بے جا پیسے کا تصرف کم کیا جائے۔
- انٹرنیشنل دوروں پر اخراجات کم کیے جائیں اور سادگی سے سفر کیا جائے۔
- سرکاری خرچے پر علاج معالجہ، حج و عمرہ کا کوٹہ اور دیگر تعلیمی مراعات ختم کی جائیں۔
- ٹیکس جمع کرنے والے اداروں میں ایماندار آفیسر بھرتی کیے جائیں۔
- عوام الناس پر بے جا ٹیکسز ختم کیے جائیں۔
- چھوٹے کاروبار کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
- درآمدات کو کم سے کم کیا جائے اور ان کی حوصلہ شکنی کی جائے۔
- واپڈا ملازمین کے لیے فری بجلی یونٹ ختم کیے جائیں۔
- مقامی مصنوعات کی حوصلہ افزائی کی جائے

اخلاقی اصلاحات کے لیے تجاویز

- جھوٹ پر مبنی سیاست بند کی جائے۔
- کسی بھی معاملے میں بات کرتے ہوئے پارلیمانی الفاظ استعمال کیے جائیں۔
- عوامی جلسوں میں کسی پر بے جا الزامات نہ لگائے جائیں۔
- لوگوں میں اخلاقیات کو رواج دینے کے لیے سیاسی رہنماوں کی طرف سے ہدایات جاری ہونی چاہئیں۔
- ادبی سیمینارز کا انعقاد کیا جائے۔
- ہر کسی کی عزت نفس کا احترام کیا جائے۔
- اسلامی تعلیمات کو فروغ دیا جائے۔

سیاسی اصلاحات کے لیے تجاویز

- سیاست کے بین الاقوامی اصولوں کو اپنایا جائے۔
- اسلامی شخصیات اور ان کے افکار کا مطالعہ کیا جائے۔
- سیاسی شعور کے لیے جلسے اور سیمینار منعقد کیے جائیں۔
- سیاسی حدود و قیود کا تعین کیا جائے۔

- سیاسی رہنماؤں کے لیے ہائر ایجوکیشن لازمی قرار دی جائے۔
- ملکی قوانین کی سختی سے پابندی کی جائے۔
- الیکشن کمیشن میں غیر جانبدار اور ایماندار آفیسر تعینات کیے جائیں۔
- قومی حمیت اور پاکستانی فکر کو فروغ دیا جائے۔
- خاندانی اور قبائلی عصبیت کی بجائے پاکستانی اور اور قومی عصبیت کو فروغ دیا جائے۔
- سیاسی گروہی اختلافات کو ختم کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔

خلاصہ بحث

اس تحقیقی مقالہ میں علامہ ابن خلدون کے علمی مقام و مرتبہ کے اظہار کے لیے ان کے مقدمہ سے چند ایک اقتباسات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر تفصیلاً علامہ کے سیاسی افکار پر ان کے مقدمہ کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور جس میں ان کے تصور ریاست کا ذکر کیا گیا، علامہ کے ہاں ریاست انسان کی زندگی کے لیے لازمی امر ہے ریاست کے بغیر انسان زندگی نہیں گزار سکتا کیونکہ انسان طبعی طور پر مل جل کر رہنے کا عادی ہے تنہا زندگی کا تصور محال ہے اس کے لیے علامہ نے تین اسباب بیان کیے ہیں یہ کہ خوارک کے لیے انسان محتاج ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر رہے، حفاظت زندگی کے لیے محتاج ہے کہ دوسرے اپنے جیسے لوگوں کے ساتھ مل کر رہے اسی طرح جب مل جل کر رہے گا تو باہمی طور پر ایک دوسرے کے شر اور تکلیف سے محفوظ رہنے کے لیے اسے ایک عادل حکمران کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس تیسرے سبب سے ریاست کی بنیاد پڑتی ہے۔ علامہ کہتے ہیں کہ ریاست عصبیت کے بغیر معرض وجود میں نہیں آسکتی، جتنی عصبیت مضبوط ہو گی ریاست اتنی ہی مضبوط ہو گی۔ جہاں بھی عصبیت کمزور ہو گی ریاست ختم ہو جائے گی۔ عصبیت سے مراد لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے سے حمیت اور غیرت کا تعلق ہے۔ اخلاقیات بھی ریاست کی بنیادوں کو مضبوط کرتے ہیں اچھے اخلاق ہمیشہ اعلی انسانی اقدار کا مظہر ہوتے ہیں اور عموماً ریاست کی مضبوطی اور وسعت اخلاقیات سے جڑی ہوتی ہے اور اخلاقیات کا وجود ہمیشہ عصبیت میں زیادہ ہوتا ہے یعنی جہاں عصبیت ہو گی وہاں اعلی اخلاق بھی پائے جائیں گے جیسے بدوی لوگوں میں عصبیت اور اخلاق کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے۔ بادشاہ کا عادل ہونا اور بدوی صفات سے متصف ہونا ریاست کے قیام و استحکام اور دوام کے لیے لازمی امر ہے۔ جب بادشاہ حضری زندگی کو اپنائے گا تو ظلم و ستم کا دروازہ کھلے گا اور عوام

پر پریشانیوں اور تکلیفوں کے عذاب آئیں گے اور مالی خلل واقع ہو گا اور نظام ریاست آہستہ آہستہ تنزلی کا شکار ہو کر ختم ہو جائے گا۔ پاکستان کے موجودہ حالات کو جب بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ علامہ ابن خلدون پاکستان کے حالات کو دیکھ رہے تھے اور اصول وضع کر رہے تھے، ریاست پاکستان کے قیام میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور حصولِ پاکستان کے لیے کوششیں شروع کیں تو بہت سی عصبیتیں ملیں جن میں ایک مشترکہ جذبہ اسلامی عصبیت تھی یعنی ملک پاکستان مذہب کے نام پر معرض وجود میں آیا پھر وجود کے بعد وہ عصبیت جو اسلام کے نام پر اکٹھا ہوئی تھی آہستہ آہستہ روبہ زوال ہوئی اور مختلف چھوٹی چھوٹی عصبیتوں میں بٹتی گئی اور پھر وہ کامیاب ریاست کے خواب جو بانیانِ پاکستان نے دیکھے تھے وہ دھرے کے دھرے رہ گئے وہ عصبیت، حمیت اور غیرت باقی نہ رہی اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ نے جتنے اسباب اور حالات مقدمہ میں ذکر کیے ہیں کہ ریاستی تباہی کا ساماں بنتے ہیں ہمیں پاکستان میں نظر آتے ہیں۔ اس ملک کی تعمیر وترقی کے لیے ہمیں آج پھر اسی عصبیت کی ضرورت ہے جو قیام پاکستان کے وقت ہمارے اسلاف میں تھی۔ انہیں اخلاق عالیہ کو اپنانا ہو گا تا کہ یہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔